ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.8,Issue No.1 (2026)
(January to March)

احمد ندیم قاسمی کے تحریر کردہ خاکے "فیض احمد فیض" کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

A Research and Critical Analysis of the Sketch "Faiz Ahmed Faiz" Written by Ahmad Nadeem Qasmi

ڈاکٹر سونیا بشیر
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی کالج برائے خواتین، عبدالولی یونیورسٹی، مردان

Dr. Sonia Bashir
Assistant Professor, Department of Urdu, University College for Women, Abdul Wali Khan University, Mardan

Article Details
Received:
February 15, 2026
Accepted:
March 10, 2026
Online Published:
March 16, 2026

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: Ahmad Nadeem Qasmi, besides poetry, short-story writing, humorous column writing, and literary criticism, also ventured into the field of sketch writing. He authored two collections of sketches titled Mere Hamsafar and Mere Hamqadam. In these books, he penned sketches of his senior and junior literary friends as well as other notable personalities. Among these, the sketch written on Faiz Ahmed Faiz gained considerable notoriety after becoming controversial. In this particular sketch, instead of fulfilling the true demands of the art of sketch writing, the writer appears to have been influenced by a sense of contemporary rivalry, the result of which is that Faiz's personality seems to have been somewhat impaired in its portrayal. This Reseach paper examines that sketch in the light of the principles of the art of sketch writing.

Key words: Ahmad Nadeem Qasmi, sketch, Faiz Ahmed Faiz, subject personality, prejudice, partiality, injustice, analysis

سوانحی ادب میں خاکہ سوانح عمری اور آپ بیتی کے مقابلے انتہائی مختصر صنف ہے۔ اس کے محاسن و معائب اور مسائل و مشکلات اور اس کے مخصوص دلچسپ مزاج کا تعین اختصار کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صابرہ سعید کے خیال میں اسے اشاروں کا آرٹ کہا جاتا ہے۔(۱) یہ اشارے کسی شخصیت کی زندگی سے چنے جاتے ہیں اور چناؤ اور انتخاب کا پیمانہ ہی یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے مصنف کی منصفانہ تصویر سامنے رکھی جاتی ہے، یہ نمائندہ واقعات کسی شخصیت کے حوالے سے پوری اور مکمل تصویر بنانے میں معاونت کرتے ہیں۔ خاکے کا مقصد قصیدہ گوئی ہرگز نہیں ہے۔ نا ہی اس کا مقصد کسی کی ذات پر کیچڑ اچھالنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خامیوں کو نظر انداز کر کے محض خوبیوں پر اکتفا کرنا ایک اچھے خاکے کی خوبی نہیں ہوتی اور صرف خامیاں اجاگر کر کے کسی شخصیت کی مٹی پلید کرنا تو اخلاقی اور فنی دونوں اعتبار سے زیادتی ہے۔

خاکے کا مقصد کسی کو فرشتہ ثابت کرنا بھی نہیں ہے اور خاکے کا مقصد کسی کو شیطان کے روپ میں دکھانا بھی نہیں ہے۔ ایک اچھا خاکہ انسان دوستی کا مظہر ہوتا ہے اور سچائی کے سامنے مجبور ہوتا ہے۔ اچھا خاکہ شخصیت کے محض ایک رخ کی عکاسی نہیں کرتا بلکہ فرشتہ اور شیطان کے مابین اس ہستی کی تلاش میں رہتا ہے جو انسانی خوبیوں اور کمزوریوں سے عبارت ہے۔ بہترین خاکہ انصاف کا

علمبر دار ہوتا ہے۔ ایسے خاکے پر شخصی تعصب کا رنگ نہیں چڑھنے پاتا اور نہ ہی اچھا خاکہ کسی موضوع شخصیت کے اندر سے منفیت بر آمد کرنے کا عمل ہے۔ قاسمی صاحب نے فیض پر تحریر کردہ خاکے میں اگرچہ فیض کو شیطان کے روپ میں پیش نہیں کیا لیکن اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ قاسمی صاحب کے ساتھ اتفاق کی صورت میں فیض کی شخصیت انتہائی سمٹ کر رہ جاتی ہے اور اتفاق کیسے ممکن ہے جب خاکے میں قدم قدم پر فیض صاحب سے رشک، خود کو فیض کے مقابلے میں رکھنے اور اپنی ذات کے آئینے میں فیض کو دیکھنے اور دکھانے کا جذبہ موجود ہو۔

احمد ندیم قاسمی کے تمام خاکوں میں فیض احمد فیض پر لکھا گیا خاکہ کافی طویل ہے جو ۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ طویل خاکہ کئی ایک اعتبار سے اہم ہے۔ قاسمی صاحب کی شخصیت جو انتہائی بے ضرر تصور کی جاتی ہے، لیکن اس کے باوجود ان کے اس خاکے کو کافی تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور اس سلسلے میں قاسمی صاحب کو ادبی حلقوں میں کافی سبکی کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ خاکے کی ابتدا میں قاسمی نے فیض کی شخصیت کے حوالے سے اس بات کا جائزہ لیا ہے کہ وہ فیض سے یا فیض اس سے ذرا فاصلے پر رہے ہیں۔ اس کی وضاحت تین نکات کی صورت میں کی گئی ہے۔ اول فیض اور قاسمی کے درمیان طبقاتی فرق۔ دوم: محفل ناؤنوش میں فیض کے ساتھ عدم شرکت سوم: تیسری ایک ڈھکی چھپی وجہ جس کی طرف ندیم نے دبے انداز میں اور خاکے میں کچھ واقعات کی روشنی میں اشارہ کیا ہے کہ شاید فیض احمد فیض انہیں تخلیقی دنیا میں اپنا حریف سمجھتے ہیں۔ اگرچہ قاسمی نے کھلے انداز میں یہ دعوی نہیں کیا لیکن ان کا رازدارانہ لہجہ اور واقعات کی نوعیت یا واقعات کا رخ فنکارانہ انداز سے اس طرف ضرور موڑا گیا ہے۔

قاسمی صاحب کو کھل کر کہنا چاہیے تھا۔ جس تیسری وجہ کی طرف قاسمی نے اشارہ کیا ہے، وہ فیض کی شخصی کمزوری ہو سکتی ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ کمزوری وہ احمد ندیم قاسمی کی معلوم ہوتی ہے۔ وہ وجہ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں کی مانند تمام خاکے میں موجود ہے لیکن اس کے باوجود قاسمی صاحب اسے اعلانیہ بتانے کی بجائے بین السطور بتانا ضروری سمجھتے ہیں۔ بظاہر ان کا موقف ہے کہ وہ وجہ سامنے لانے سے فیض کے ساتھ ان کی نیاز مندی خطرے میں پڑ سکتی ہے، لیکن یہ توجیہ دراصل قاسمی کی شخصیت میں فیض کے معاملے میں اخلاقی جرات کی کمی ہے۔ اگر تیسری وجہ بتانے سے فیض کے ساتھ اس کی نیاز مندی خطرے میں پڑ سکتی ہے تو پھر یہ کس قسم کی نیاز مندی ہے کہ فیض کی شخصیت کے وقار اور اعتبار کے پیچھے پڑی ہے اور فیض کی شخصیت کو داغدار بنانے پر تلی ہوئی ہے۔ بہر حال یہ کہا جاسکتا ہے کہ ن م راشد پر لکھے گئے خاکے کی طرح فیض پر لکھا گیا خاکہ بھی قاسمی نے ہمدردانہ محبت کے ساتھ نہیں لکھا اور اس کا اعتراف بھی اس صورت میں موجود ہے کہ ان کے بقول وہ فیض سے فاصلہ محسوس کرتے ہیں۔

اس خاکے میں قاسمی صاحب نے اپنی نیاز مندی کو داغدار بنانے کی کوشش نہیں کی البتہ فیض کی شخصیت کو داغدار بنانے کی ہر ممکن کوشش ضرور کی ہے۔ اگرچہ یہ کوشش معصومانہ بھی قرار دی جاسکتی ہے لیکن بہر حال موجود ہے۔ مثلاً راولپنڈی سازش کیس کے حوالے سے انہوں نے یہ ضرور لکھا ہے کہ فیض جیسی نرم مزاج شخصیت فوجی بغاوت کا منصوبہ کیسے بنا سکتی ہے۔ لیکن خاکے کی روشنی میں دیکھا جائے تو فیض کی زندگی میں کردار کے حوالے سے جو پختگی ان کی شاعری کے معیار کو پیش نظر رکھ موجود ہونی چاہیے تھی، وہ اس کے کردار میں دکھائی نہیں دیتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ترقی پسندانہ منشور کے ساتھ فیض کی قلبی اور روحانی وابستگی کو بھی اس طرح سے دکھانے کی کوشش نہیں کی گئی، جس کی توقع قاسمی صاحب سے کی جاسکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس خاکے میں جتنے بھی واقعات پیش ہوئے ہیں وہ فیض کی کمزوریوں کی طرف توجھکاؤ رکھتے ہیں لیکن ان کی شخصی خوبیوں کی طرف اشارہ نہیں کرتے۔ قاسمی صاحب کے تمام خاکوں میں اور خصوصی طور فیض صاحب پر تخلیق کردہ خاکے میں اس کی اپنی شخصیت اور اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کی

طرف بلیغ اشارے ملتے ہیں۔ پھر کسی بھی موضوع شخصیت کے حوالے سے بیان کیے گئے واقعے میں قاسمی خود موجود ہوتے ہیں اور قاری سے اپنی ذات کا اثبات چاہتے ہیں۔ بعض اوقات ان کی موجودگی بوجھ بھی بن جاتی ہے مثلاً فیض پر تحریر کردہ اس خاکے میں جس نیاز مندی کا اظہار قاسمی نے فیض کے ساتھ کیا ہے، اس نیاز مندی کے عملی ثبوت اس نے خاکے میں بالکل بھی فراہم نہیں کیے اور شعوری طور پر فراہم نہیں کیے اور خود کو ہیرو اور فیض کو کسی حد تک زیرو ثابت کرنے کی کوشش کی۔ خاکے کی رو سے فیض صاحب کے ساتھ قاسمی کی پہلی ملاقات عبدالمجید سالک کے ہاں کسی شادی کے موقع پر ہوئی تھی۔ جس میں قاسمی کے بقول بات مصافحے سے آگے نہیں بڑھی۔ کیونکہ فیض صاحب کے ساتھ احباب کا ہجوم انہیں اس سے دور لے گیا۔ یہ پہلا واقعہ بھی شہرت، ہر دلعزیزی اور شعری عظمت کے حوالے سے فیض کی برتری کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

خاکے میں قاسمی صاحب نے فیض کی کئی ایک کمزوریاں دکھائی ہیں۔ مثلاً وہ انجمن کے ہفتہ وار اجلاسوں میں باقاعدگی کے ساتھ شرکت نہیں کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ دراصل فیض صاحب بورژوا قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور انہی کی صحبت میں خوش رہتے تھے۔(۲) اس دلیل کو درست مان لیا جائے تو ایسی صورت میں بہت سے ادیب اور شاعر اس کی زد میں آئیں گے۔ مثلاً اقبال جن کو نیم اشتراکی مانا جاتا ہے، بورژوا طبقے میں خوش رہتے تھے۔ انگریزوں کے ساتھ، بھوپال کے دربار کے ساتھ اور دیگر والیان ریاست کے ساتھ ان کے تعلقات کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کانفرنس جس کے حوالے سے پودے کی صورت میں رپورتاژ موجود ہے، اس میں بھی تمام ترقی پسندوں کی ضیافت اور اہتمام حیدرآباد دکن کے نواب کی طرف سے ہے۔ جوش ملیح آبادی نظام حیدرآباد دکن کے کافی قریب رہے اور وہاں ملازم بھی رہے اور اس کے بیٹے معظم جاہ کے ساتھ جوش کا بزم ناونوش کا سلسلہ چلتا رہا۔ اسی طرح احمد ندیم قاسمی کے حوالے سے بھی اس قسم کا ایک واقعہ اصغر ندیم سید نے قاسمی پر تحریر کردہ خاکے میں درج کیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس واقعے میں فیض اور قاسمی دونوں کا ذکر آیا ہے۔ ان کے بقول ملتان میں اللہ وسایا ٹیکسٹائل کے مشاعروں کو شہرت حاصل تھی۔

قاسمی اور فیض جب بھی مشاعروں میں شرکت کے لیے آتے تو وہ مل کے مالک میاں محمود کے ہاں قیام کرتے تھے۔ اصغر ندیم سید کے بقول میں اور صلاح الدین حیدر جذباتی نوجوان ترقی پسند تھے اور ہمیں یہ بات بری لگی تو ہم بطور احتجاج مل کے سامنے گئے اور مل کے دروازے پر دستک دے کر کہا کہ کہاں ہے مل کے مالک۔ ہم غریب عوام احتجاج کے لیے آئے ہیں۔ میاں محمود تک پیغام پہنچا تو وہ باہر نکلے اور ہمیں احمد ندیم قاسمی کے سامنے کھڑا کیا۔ صلاح الدین حیدر نے احمد ندیم قاسمی کو طعنہ دیا کہ تم کیسے ترقی پسند ہو کہ سرمایہ داروں کے خلاف شاعری کرتے ہو اور ان کے عالی شان بنگلوں میں رہتے بھی ہو تو قاسمی نے جواب میں کہا کہ ہم تمہاری طرف ٹھہر جاتے ہیں اٹھاؤ ہمارا سامان، لے جاؤ جہاں جس کٹیا میں لے جانا ہے۔(۳) جذباتی قسم کی بات کہنی آسان تو بہت ہوتی ہے لیکن جب وہی بات دلیل کے سامنے آتی ہے، انسانی فطرت کے سامنے آتی ہے، عقل کے سامنے آتی ہے تو کہنے والے کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ اگر اصغر ندیم سید کے مذکورہ واقعے کا اطلاق قاسمی پر کر کے ان سے پوچھا جائے کہ اب فیض کے حوالے سے آپ کیا خیال ہے؟ تو جو جواب ملے گا وہ ظاہر ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر انسان کے مخصوص دوستوں کا حلقہ اس کے اپنے مزاج کے مطابق ہوتا ہے۔ اب اگر قاسمی نہیں پیتے اور فیض پیتے ہیں تو ظاہر ہے کہ پینے پلانے کا تعلق وہ ان لوگوں سے رکھیں گے جو پیتے اور پلاتے ہیں۔ یہ بھی بہر حال فیض کے حوالے سے قاسمی کی رائے ہے۔ فیض صاحب کی ترقی پسندی قاسمی کی اس رائے کی روشنی میں نہ تو مشکوک بن سکتی ہے اور نہ ہی مشکوک بنائی جا سکتی ہے۔ وہ کس حد تک مخلص ترقی پسند اور سوشلسٹ تھے۔ اس سلسلے میں قراۃ العین حیدر کی رائے کافی وقیع ہے۔

قراۃ العین حیدر نے فیض کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ کبھی بھی آرام چیئر سوشلسٹ نہیں رہے۔ انہوں نے اپنے انتہائی متمول باپ کی خریدی ہوئی زمینیں اپنے غریب رشتہ داروں میں تقسیم کی تھیں۔(۴)

قاسمی نے فیض صاحب کے کردار کو بورژوائی بنانے کی ہر ممکنہ کوشش کی ہے اور اس کے لیے انہوں نے معمولی معمولی تنکوں کا سہارا لیا ہے۔ مثلاً ان کے بقول فیض صاحب ۱۹۴۹ کے اجلاس کے لیے پیش کی جانے والی قراردادوں پر بحث مباحثے کے لیے بہت ہی کم بیٹھتے تھے۔ ندیم کے اصرار پر فیض کو بھی خزانچی کا عہدہ دیا گیا۔ حالانکہ فیض کی ان باتوں میں کوئی بھی دلچسپی نہیں تھی۔ اسی طرح انجمن ترقی پسند مصنفین کے زیرِ اہتمام مشاعرے کے ضمن میں فیض صاحب نے شعرا کی فہرست بنائی اور اس میں ظہیر کاشمیری کو نہیں ڈالا۔ جس پر قاسمی نے اعتراض کیا اور کہا کہ ظہیر کاشمیری تو ترقی پسند تحریک کا اہم اور سینئیر شاعر ہے۔ جواب میں فیض صاحب نے کہا کہ کچھ بھی ہو لیکن ظہیر اس مشاعرے میں شامل نہیں ہو گا۔ آخر قاسمی کے اصرار پر مان گئے لیکن یہ شرط رکھ لی کہ ظہیر کو مدعو کرتے ہوئے کسی بھی صورت ان کا نام نہ آئے۔ قاسمی کے بقول میں فیض کے اس تعصب کو آج تک ہضم نہیں کر پایا (۵)۔

اس واقعے کا آخری جملہ کافی اہم ہے۔ قاسمی کو فیض اور ظہیر کاشمیری کے حوالے سے معلوم ہے کہ کالج کے زمانے میں دونوں کے مابین کوئی چپقلش ہوئی تھی۔ ایسی صورت میں فیض کا ظہیر کاشمیری کے نام کو قاسمی صاحب کے اصرار پر شامل کرنا اس کی شخصیت میں لچک کا ثبوت ہے۔ لیکن قاسمی صاحب کا یہ جملہ کہ میں فیض کے اس تعصب کو آج تک ہضم نہیں کر پایا۔ تو ایک تو تعصب کی وضاحت ہونی چاہیے تھی۔ اس لیے کہ انسان ذاتی ناچاکی کی بنیاد پر بھی ایسا کام کر سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ فیض کے دل میں ظہیر کاشمیری سے گلے شکوے زیادہ ہوں اور تلخی بھی زیادہ ہو۔ لیکن اسے تعصب کا نام دینا اور اسے ہضم نہ کر سکنے والی بات سمجھ سے بالاتر ہے اور بہت حد تک منفی انداز میں جانبداریت کو ثابت کرتی ہے۔ ذاتی ناچاقی کو تعصب کا نام دینا روحانی اعتبار سے خطرناک عمل ہے۔ اسی طرح ترقی پسند اجلاس کے حوالے سے اجلاسوں میں کم شرکت کا حوالہ دے کر قاسمی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ مخلص ترقی پسند نہیں تھے باالفاظ دیگر کسی حد تک دکھاوے کے ترقی پسند تھے۔

اس خاکے میں قاسمی نے فیض کی شخصی کمزوریاں چن چن کر جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً ان کے بقول فیض صاحب پنجاب کے گورنر میاں مشتاق احمد گورمانی کے لیے تقریریں لکھتے رہے ہیں تو قاسمی کے بقول انہیں باقاعدہ صدمہ پہنچا۔(۶) دیکھا جائے تو یہ بے ضرر سا واقعہ اتنا تلخ نہیں ہے کہ جس سے قاسمی صاحب کو صدمہ پہنچے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قاسمی صاحب نے تو خود باقاعدہ طور پر ایک کتاب پیسوں کے لیے ہی لکھ ڈالی تھی۔ غلام عباس نے جنرل ایوب کی کتاب ترجمہ کی۔ قدرت اللہ شہاب جنرل ایوب کے لیے خدمات سرانجام دیتے رہے۔ لہٰذا فیض کا جرم اتنا بڑا نہیں ہے کہ اس پر اتنا زیادہ صدمہ مول لیا جائے۔ جو خدشہ قاسمی صاحب نے اپنے لیے فیض کے دل میں ظاہر کیا ہے کہ فیض شاید قاسمی کو اپنا حریف سمجھتے تھے تو یہ خواہش دراصل قاسمی صاحب کی ہو سکتی ہے کہ وہ خود کو فیض کا حریف سمجھنے لگے ہیں۔ حالانکہ شاعری کے اعتبار سے فیض اور قاسمی کے مابین حریف ٹھہرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں نکلتی ۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر ایک دور میں ادیبوں کی کچھ مجبوریاں بھی ہوتی ہیں، سمجھوتے بھی کرنے پڑتے ہیں۔ یہ سمجھوتے نہ تو تمام صورتوں میں ذاتی مفاد کی پیداوار ہوتے ہیں اور نہ ہی منافقت کے نام سے موسوم کیے جاسکتے ہیں اور نہ ہی ان کا تعلق خوف سے ہوتا ہے ۔ انسانی تعلقات ہشت گونہ پہلو رکھتے ہیں۔ مروت اور لحاظ کا حوالہ بھی آجاتا ہے۔ ویسے بھی فیض نے اس کے لیے اگر لکھی بھی ہوں گی تو گورنر کی تقریریں کون سی ادبی خوبیوں سے مالامال ہوتی ہیں۔

ایسی تقریروں کی مثال محض ایک ذاتی نوعیت کے کام کی سی ہوتی ہے۔ اگر قاسمی صاحب ان کی شخصیت کے اس خفیف سی کمزوری سے ان کی انقلابی شخصیت کو نشانہ بنانا چاہتے ہیں تو یہ بھی اصولی طور پر غلط ہے۔ اگر اتنی معمولی معمولی باتوں سے ایک ایسی انقلابی شخصیت منہدم ہو سکتی ہے جس نے کبھی بھی خود از راہِ انکسار عملی طور پر انقلابی ہونے کا دعوی نہیں کیا۔ تو ایسی صورتحال میں بڑی مشکل پیدا ہو سکتی ہے۔ ایک ایسا شاعر جس کو لینن ادبی ایوارڈ ملا۔ جس نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی تھی اور مظلوم اور استعمار زدہ اقوام کی موثر آواز بن گئے۔ افتخار عارف کے بقول یاسر عرفات کی درخواست پر بیروت گئے اور وہاں مشکل حالات میں زندگی گزاری۔ ایفرو ایشین رائٹرز کے مجلے لوٹس کے مدیر بنے۔(۷) ایک ایسے ماحول میں جس میں لحہ لحہ موت کا سامنا ہے۔ جہاں فیض کا ذاتی ڈرائیور شہید ہوا اور وہ اس وقت اپنے وطن واپس لوٹے جب وہ عمارت بھی اسرائیلی بمباری میں تباہ ہوگئی جس میں فیض قیام پذیر تھے۔ یا پھر راولپنڈی سازش کیس کے فیض کو لیجیے جس میں انہیں پھانسی ہونے کا قوی امکان تھا اور پھر قاسمی صاحب کی اس رائے پر غور کیجیے کہ گورنر کے لیے تقریریں لکھنے کا شبہ (یقین بھی نہیں) ان کے لیے صدمہ کا باعث بنتا ہے۔ ان کی اتنی زیادہ خدمات کو محض اس معمولی سی بات پر تیاگ دینا بچگانہ سی بات معلوم ہوتی ہے۔

قاسمی صاحب نے فیض کی شخصیت کے اس پہلو کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے کہ انہوں نے برطانوی فوج میں کیوں شرکت اختیار کی۔ اس حوالے سے بھی قاسمی کا رویہ غیر منصفانہ ہے۔ اس زمانے میں ادیبوں کو فوج میں شمولیت کا موقع مل گیا اور ایسی ہوا چلی تھی کہ نامی گرامی ادیب کیپٹن اور کرنل بننے لگے تھے۔ شاہد احمد دہلوی کے بقول فیض کے علاوہ دیگر ادیب بھی مثلاً مجید ملک، ڈاکٹر تاثیر، چراغ حسن حسرت اور ن م راشد نے وردیاں پہن لیں۔ لیکن سب سے زیادہ افسوس ان کے بقول فیض کو دیکھ کر ہوتا تھا کہ یہ شریف آدمی اس چکر میں کیسے پھنسے۔ ان کے بقول یہ خبر عام تھی کہ ڈاکٹر تاثیر نے ان کو پھنسایا ہے۔(۸) فیض فوج میں کرنل بن گئے تو جوش نے مخالفت میں نظم لکھی اور قاسمی کو بھیجی کہ اس کو ماہنامہ ادب لطیف میں شائع کر دو۔ قاسمی صاحب کی طرف سے یہ اقدام کسی حد تک دلآزاری کے معنوں میں آتا ہے کہ انہوں نے وہ طنزیہ نظم جس میں فیض کی ایک نظم کا مصرع بھی تھا اور جو واضح اشارہ تھا۔ انہوں نے ادب لطیف میں شائع تو نہیں کی لیکن وہ نظم ان ادیبوں مثلاً راشد اور فیض کو بھیج دی کہ اگر وہ اس کے حوالے سے کچھ کہنا چاہتے ہیں تو وہ بھی ادب لطیف میں شائع کر دیں گے۔ ایسے اقدامات کہ جن کی وجہ سے ادیبوں کے مابین اختلاف کو ہوا ملے اور بات ذاتیات پر پہنچنے کا اندیشہ ہو، ان سے گریز کرنا چاہیے۔ ایک تو جوش قد آور شخصیت تھے جن کے ساتھ فیض اور راشد جیسی شخصیتیں الجھنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھیں اور دوسری بات یہ کہ ان ادیبوں نے اس حوالے سے خاموش رہنے میں غنیمت سمجھی جو ان کی عقلمندی کا ثبوت ہے۔ ورنہ قاسمی صاحب نے تو معصومانہ انداز سے میدان گرم کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو بھی فیض کے قد و قامت میں کمی کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ خاکے کی تعریف ہی یہ کی جاتی ہے کہ اس میں شخصیت کے مثبت اور منفی دونوں رخ دکھائے جاتے ہیں لہٰذا فیض بھی اس حوالے سے شجر ممنوعہ نہیں ہے لیکن دوسرے رخ کو خواہ مخواہ منفی رنگ دینے کی کوشش کرنا اور ۵۰ صفحات پر مشتمل خاکے میں اگر فیض کی خوبیاں تلاش کے باوجود نہ ملیں تو حیرت ضرور ہوتی ہے۔ مثلاً اس حوالے سے ایک واقعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔

فیض کے حوالے سے ندیم کے دل میں کوئی نفسیاتی الجھاؤ یا بدگمانی موجود تھی جس کا اظہار اس واقعے سے خوب ہوتا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ فیض، قاسمی اور کچھ دیگر اہل قلم حضرات وزیر اعظم پاکستان کے ہمراہ جمہوریہ چین کے سرکاری دورے پر جا رہے تھے۔ ہانگ کانگ پہنچے تو دورہ منسوخ ہو گیا اور چین میں یہ لوگ چینی حکومت کے سرکاری مہمان نہ رہے بلکہ عوامی جمہوریہ چین کے

جرنلسٹ یونین کے مہمان بن گئے جنہوں نے انہیں تمام چین کی سیر کرانے کا اعلان کیا۔ قاسمی صاحب کے بقول اس ڈیلیگیشن کے صدر کی حیثیت سے فیض صاحب میرا تعارف محض امروز کے مدیر کی حیثیت سے کراتے۔ جس پر ان کے دل میں شکایت پیدا ہوئی کہ ان کے تعارف کے ساتھ ان کی شاعری اور افسانہ نگاری کا ذکر بھی ہونا چاہیے۔ دیکھا جائے تو اس معاملے میں قاسمی کا گلہ مکمل طور پر بے جا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ صحافیوں کے مہمان ہیں تو ایسی صورت میں صحافت کے حوالے سے تعارف کروانا کچھ زیادہ مناسب ہے ۔اس خاکے میں بعض مقامات پر قاسمی کا غصہ صاف طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اس غصے نے خاکے میں موضوع شخصیت کے امیج کو خراب کرنے کی کوشش کی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ وہ باتیں جنہیں قاسمی نے فیض کے عیوب میں شمار کیا ہے ان سب کا تعلق قاسمی کی اپنی ذات سے ہے۔ یعنی وہ ایسے واقعات ہیں جن میں قاسمی کے علاوہ اور کوئی کردار ملوث نہیں ہے۔ مثلاً قاسمی کو یہ گلہ بھی ہے کہ لوٹس نامی رسالے میں جو فیض کی ادارت میں نکلتا تھا اس میں کبھی بھی احمد ندیم قاسمی کی کوئی تخلیق شائع نہیں ہوئی۔ اس گلے کا ذکر قاسمی نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

> "فیض صاحب کی ادارت میں شائع ہونے والے لوٹس کو میری شاعری یا افسانہ نگاری کا نوٹس لینے کی کبھی توفیق نہ ہوئی اور دیگر اہم قلم کے تراجم باقاعدگی سے شائع ہوتے رہے ۔میں سمجھ گیا کہ فیض صاحب میرے حوالے سے کسی نہ کسی ڈھکے چھپے تعصب میں ضرور مبتلا ہیں۔ ورنہ میں ایسا گمنام تو نہیں تھا کہ ان کے "الٹرا ماڈرن لوٹس" کے صفحات میں بار نہ پا سکتا۔"(۹)

فیض کے حوالے سے تعصب کا لفظ استعمال کرنا، شاعری یا افسانہ شائع نہ کرنے کا گلہ، ورنہ میں ایسا گمنام تو نہیں تھا۔۔۔ الٹرا ماڈرن لوٹس۔۔۔ ان الفاظ میں طنز کی شدت آسانی کے ساتھ محسوس کی جاسکتی ہے اور اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ گلہ بڑھتے بڑھتے ناراضگی کی حدوں کو چھونے لگا ہے۔ دیکھا جائے تو قاسمی صاحب نے اس خاکے میں فیض کی شخصیت کی پگڑی اچھالنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور محض اپنی شرافت کا بھرم رکھنے کے لیے اپنی نیاز مندی کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ تمام خاکے میں کہیں پر بھی قاسمی کی نیاز مندی کا عملی اظہار نہیں ہو پاتا۔ وہ اپنی غیر مشروط نیاز مندی کا ذکر کرتے ہیں لیکن فیض صاحب سے شکایتیں اور پھر ان پر لکھے گئے خاکے میں ان کا اظہار غیر مشروط نیاز مندی نہیں ہیں بلکہ کچھ اور ہے۔ فیض کی زندگی میں فیض کے سامنے اگر قاسمی ان باتوں کا ذکر کرتے تو بھی مناسب ہوتا لیکن خاکے میں اس قسم کا بھی کوئی واقعہ موجود نہیں ہے۔ اسی طرح خاکے میں "ہوا زہو" مرتب کرنے کا ذکر بھی ہے۔ دورایوب خان میں الطاف گوہر صاحب نے "ہوا زہو" مرتبے کرنے کی ذمہ داری فیض کو سونپی تھی۔ قاسمی کے خیال میں اس کی ایک جلد انہوں نے کراچی میں دیکھی تھی جس میں انہیں محض ایک لبرل رائٹر کے طور پر تعارف کیا گیا تھا اور انجمن کے جنرل سیکرٹری کے طور پر ان کا ذکر نہیں کیا گیا تھا۔ دیکھا جائے تو قاسمی کا یہ اعتراض بھی بجا معلوم نہیں ہوتا۔

انھوں نے کوشش کی ہے کہ فیض کو معمولی معمولی باتوں کی بنیاد پر متعصب آدمی کے طور پر پیش کیا جائے۔ حالانکہ فیض کی شخصیت کا جہاں تک تعلق ہے تو ان میں ایک قلندرانہ شان موجود ہے۔ ان کی شخصیت میں بے نیازی کی وہ لہر موجود ہے جس نے قاسمی جیسے بڑے شاعروں اور ادیبوں کو نفسیاتی احساسِ کمتری کی طرف دھکیل دیا ہے۔ فیض کی مختلف معاملات میں خاموشی اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ خوبصورت لب و لہجے کے اس سچے شاعر کی شخصیت میں مقناطیسی کشش پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔ یہی وہ کشش ہے جس نے خود پر انسان دوستی کا اضافی لیبل چسپاں کیے بغیر خود کو انسان دوست ثابت کیا ہے۔ اگرچہ قاسمی صاحب کو بھی ادبی حلقوں میں کافی

شریف آدمی گردانا گیا ہے لیکن فیض کے معاملے میں ان کے قلم میں زہر ناکی تشویشناک امر ضرور ہے اور پھر وہ بھی ایک ایسی شخصیت کے بارے میں جو اپنی زندگی میں کافی بے ضرر رہے۔ محبت کرنے والے نفرت سے خالی۔ معصومیت اور شرافت سے بھرپور خالد سعید بٹ کے بقول ایک مرتبہ حفیظ جالندھری نے فیض کے خلاف بہت کچھ لکھا اور ان کے بقول میں نے فیض صاحب کے ساتھ ایک شام گزار کر انہیں حفیظ صاحب کا جواب دینے کے لیے قائل کرنا چاہا لیکن فیض صاحب کا کہنا تھا کہ اگر یہ سب لکھ کر حفیظ جالندھری کو خوشی ہوئی ہے تو اس میں کیا مضائقہ۔(۱۰) نصر اللہ خان کی رائے بھی فیض کے حوالے سے کچھ اس قسم کی ہے۔ ان کے بقول فیض صلح کل قسم کے انسان تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے ان کی شاعری پر نکتہ چینی کی تو ان کے مطابق میں نے فیض صاحب سے کہا کہ آپ اس کا جواب کیوں نہیں دیتے۔ اس نے جواب میں کہا کہ یہ اس کا اپنا خیال ہے اور ہر شخص کو اپنے خیال کے اظہار کا پورا حق حاصل ہے۔(۱۱) اسی طرح ابراہیم جلیس نے فیض کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے فیض صاحب کی آنکھوں میں بڑے سے بڑے دشمن کے لیے نفرت کی ہلکی سی آنچ نہیں دیکھی۔ انہوں نے فیض کو گھنا سایہ دار درخت کہا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ بعض لوگ جو اس کے چھاؤں میں سوتے ہیں وہ اسی پر کلہاڑا چلاتے ہیں لیکن وہ درخت کلہاڑا چلانے والوں کو بھی سایہ سے محروم نہیں کرتا۔ یہی معاملہ فیض کا بھی ہے کہ وہ اپنے ایذا رسانوں کو بھی اپنی شفقت سے محروم نہیں کرتا۔(۱۲) ان تمام حوالوں کو ذہن میں رکھا جائے تو نتیجے تک پہنچنا مشکل نہیں کہ قاسمی صاحب نے اپنے اس خاکے کو ادبی سیاست نذر کر دیا ہے اور وہ ایک ایسی معصوم شخصیت کے معاملے میں کہ جو محض قلندرانہ شان کے ساتھ تخلیق کے کرب اور نشاط سے گزرنے کے علاوہ اور کچھ بھی جانتے بھی نہیں تھے اور سچ پوچھیے تو قاسمی شاعری کے حوالے سے نہ تو ان کے حریف تھے اور نہ ہو سکتے ہیں، یہ قاسمی صاحب کی خوش فہمی ہو سکتی ہے۔ تنقید کی دنیا، ذاتی تعلقات کی حد تک یا ادبی حلقوں میں کہیں بھی فیض کو قاسمی کے مدمقابل لانے کی کوشش نہیں کی گئی اگر قاسمی یہ محسوس کرتے ہیں کہ فیض انہیں اپنا حریف تصور کرتے تھے تو اسے نفسیاتی الجھاوے کے علاوہ اور کیا نام دیا جا سکتا ہے۔ فیض کا نام کبھی بھی قاسمی کے ساتھ نہیں لیا گیا البتہ ان کا نام اقبال کے ساتھ لیا گیا۔ مثلاً افتخار عارف کے بقول ایک موقع پر ایک کسی نے انہیں اقبال سے بڑا شاعر کہا تو فیض نے فوراً کہا کہ اٹھارویں صدی کے بڑے شاعر میر، انیسویں صدی کے عظیم شاعر غالب اور بیسویں صدی کے عظیم شاعر اقبال ہیں۔(۱۳) قاسمی صاحب کی ادبی قد و قامت اپنی جگہ لیکن فیض کو اپنے مقابلے میں لانے کی کوشش اور ان کی اس انداز سے پیشکش کہ فیض ان کو اپنا حریف سمجھتے تھے اور ان سے تعصب رکھتے تھے، واہمہ ہی ہو سکتا ہے۔ انھوں نے اپنے اس خاکے کو اس واہمے کی نذر کر لیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ صابرہ سعید، ڈاکٹر، اُردو ادب میں خاکہ نگاری، مکتبہ شعر و حکمت، لکڑی کا پل حیدر آباد انڈیا، ۱۹۷۸ء، ص:۹

۲۔ احمد ندیم قاسمی، فیض احمد فیض، مشمولہ، میرے ہمسفر (سوانحی خاکے)، لاہور، اساطیر، ۲۰۰۲ء، ص:۱۱۰

۳۔ اصغر ندیم سید، پھرتا ہے فلک برسوں، جلد دوم، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۲۴ء، ص:۶۵

۴۔ قراۃ العین حیدر، سرود شبانہ، مشمولہ، فیض احمد فیض، فیض صدی منتخب مضامین، (مرتبہ: یوسف حسن، پروفیسر، روش ندیم، ڈاکٹر) مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص:۳۳۶

۵۔ احمد ندیم قاسمی، فیض احمد فیض، مشمولہ، میرے ہمسفر، ص:۱۱۲

۶۔ ایضاً۔ ص:۱۱۵

۷۔ افتخار عارف، ہمارے فیض صاحب۔ مشمولہ، فیض فہمی، (ترتیب۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی)، ملٹی میڈیا افیئرز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص:۸۵۶

۸۔ شاہد احمد دہلوی، فیض صاحب، ایضاً، ۲۰۱۱ء، ص:۹۳۴

۹۔ احمد ندیم قاسمی، فیض احمد فیض، مشمولہ، میرے ہمسفر، ص:۱۴۱

۱۰۔ خالد سعید بٹ، فیض ایک عظیم انسان، مشمولہ، ماہِ نو، بیادِ فیض۔ شمارہ نمبر ۶۱، لاہور، مئی جون ۲۰۰۸ء ص:۹۰

۱۱۔ نصر اللہ خان، فیض امرتسر میں، مشمولہ، خونِ دل کی کشید (مرتبہ: مرزا ظفر الحسن)، کراچی، مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۳ء، ص:۷۸

۱۲۔ ابراہیم جلیس، بہت گھنا بہت سایہ دار درخت، مشمولہ، خونِ دل کی کشید (مرتبہ: مرزا ظفر الحسن)، کراچی، مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۳ء، ص:۳۴

۱۳۔ افتخار عارف، ہمارے فیض صاحب، (مشمولہ)، فیض فہمی، (ترتیب۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی)، ملٹی میڈیا افیئرز، لاہور، ۲۰۱۱۔ ۸۵۸

References in Roman Script:

1. Sabira Saeed, Dr., Urdu Adab mein Khaka Nigari, Maktaba Sher o Hikmat, Lakri ka Pul, Hyderabad, India, 1978, p. 9.
2. Ahmad Nadeem Qasmi, Faiz Ahmad Faiz, Mashmoola: Mere Hamsafar (Sawanihi Khake), Lahore: Asateer, 2002, p. 110.
3. Asghar Nadeem Syed, Phirta Hai Falak Barson, Jild Doem, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2024, p. 65.
4. Qurratulain Hyder, Surood-e-Shabana, Mashmoola: Faiz Ahmad Faiz, Faiz Sadi Muntakhab Mazameen, (Murattib: Prof. Yousaf Hasan, Dr. Roshan Nadeem), Muqtadira Qaumi Zaban, Islamabad, 2010, p. 336.
5. Ahmad Nadeem Qasmi, Faiz Ahmad Faiz, Mashmoola: Mere Hamsafar, p. 112.
6. Ibid. p. 115.
7. Iftikhar Arif, Hamare Faiz Sahib, Mashmoola: Faiz Fahmi, (Tarteeb: Dr. Syed Taqi Abidi), Multimedia Affairs, Lahore, 2011, p. 856.
8. Shahid Ahmad Dehlvi, Faiz Sahib, Mashmoola: Faiz Fahmi, (Tarteeb: Dr. Syed Taqi Abidi), Multimedia Affairs, Lahore, 2011, p. 934.
9. Ahmad Nadeem Qasmi, Faiz Ahmad Faiz, Mashmoola: Mere Hamsafar, p. 141.
10. Khalid Saeed Butt, Faiz Ek Azeem Insan, Mashmoola: Mah-e-Nau, Be-Yaad-e-Faiz, Shumara No. 61, Directorate General of Films and Publications, Lahore, May–June 2008, p. 90.
11. Nasrullah Khan, Faiz Amritsar mein, Mashmoola: Khoon-e-Dil ki Kasheed, (Murattib: Mirza Zafar ul Hasan), Karachi: Maktaba Asloob, 1983, p. 78.
12. Ibrahim Jalees, Bohat Ghana Bohat Saya-daar Darakht, Mashmoola: Khoon-e-Dil ki Kasheed, (Murattib: Mirza Zafar ul Hasan), Karachi: Maktaba Asloob, 1983, p. 34.
13. Iftikhar Arif, Hamare Faiz Sahib, Mashmoola: Faiz Fahmi, (Tarteeb: Dr. Syed Taqi Abidi), Multimedia Affairs, Lahore, 2011, p. 858.